عزیزالرحمن بھنوری

ہو جسکی فقیری میں بوئے اسد اللّٰھی

سیرت نگاری کوئی معمولی موضوع نہیں ہے۔ بلکہ ایک عظیم موضوع ہے۔ جس کے ذیل میں بے شمار عنوانات ہوتے ہیں اور ان میں کمی و بیشی شخصیت کے اعتبار سے ہوتی رہتی ہے جو شخصیت جتنی اہم اور بزرگ ترین ہوگی اتنے ہی عنوانات کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ مثلاً ایک معمار کی سوانح اور سیرت کے لئے جہاں اسکے ملک، قوم، شہر، سن ولادت، سلسلہ نسب، ماحول وغیرہ کا ذکر ضروری ہے وہاں اسکی بنائی ہوئی عمارتوں کا مشاہدہ اور اس میں معمار کی فنکاری کے نمونوں کا اظہار بھی ضروری ہوتا ہے۔ اور اس کام کو وہی لوگ اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں جن کو اس معمار کی معاصرت کا شرف حاصل ہو اور ساتھ رہ کر کام کیا ہو۔ یہی وجہ ہے حضرات صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے جتنے عمدہ اور احسن طریقہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان فرمائی ہے دوسرا بیان نہیں کرسکتا۔

بدقسمتی سے جن ایام میں شاہ جی کا گزر ہمارے دیار سے ہوا کرتا تھا اور ہمارے علاقہ میں ان کی مسحور کن تقاریر ہوا کرتی تھیں ان ایام میں مجھے شخصیتوں کے دیکھنے اور سمجھنے کا ہوش ہی نہیں تھا چہ جائیکہ شاہ جی کی معاصرت اور ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف؟

یہ میں نے سنا اور پڑھا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں ان جیسا خطیب اور مقرر نہ پچھلے سو سالوں میں پیدا ہوا اور نہ آج کوئی نظر آتا ہے۔ بلکہ میں تو یہ عرض کرتا ہوں کہ پورے ایشیا میں فی زمانہ وہ اپنا مثیل اور عدیل نہیں رکھتے تھے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ نہ آلہ مکبر الصوت کا انتظام ہوتا تھا لیکن عشاء کی نماز کے بعد صبح کی اذان تک شاہ جی کی آواز کے علاوہ سانس کی آواز بھی نہ سنائی دیتی تھی۔ اسی سکوت کے عالم میں آہستہ اور خاموش ہچکیوں اور سسکیوں کی آواز سنائی پڑ جاتی تھی۔ ایک بھیڑ ہوتی تھی جو ٹکٹکی جمائے مبہوت اور ساکت بیٹھی ہوتی تھی۔ گویا کہ انسان نہیں تصویریں ہیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ دلی میں پہلی تقریر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی ہوئی۔ موصوف نے ایک بجے تک تقریر فرمائی۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریر کے بعد تقریر کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں تھا وہ جماعت دیوبند میں تقریر کے میدان میں منفرد ہیں اور پھر تقریر بھی عالمانہ حضرت نانوتوی کی تقریر کا پورا پورا چربہ ہوتا تھا۔ آج موصوف کی دو نشانیاں (فتح الملہم اور تفسیر قرآن بر ترجمہ قرآن از حضرت شیخ الہند) دو علمی شاہکار ہیں۔ کہ جن کی ضرورت مرور ایام کے باوجود ہنوز باقی ہے۔

ایک بجے کے قریب حضرت شاہ جی کھڑے ہوئے، تقریر کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ معذرت پیش کرنے کے لئے اور صبح کی اذان کردی۔ اب اندازہ لگائیے کہ جاڑوں کی راتیں پورے چھ گھنٹہ میں معذرت ختم ہوئی۔ معذرت جب اتنی طویل ہوتی تھی تو تقریر کتنی دراز ہوتی ہوگی؟

شاہ جی کی زندگی اور موت دونوں شاہی تھیں بلکہ بادشاہوں کو نہ وہ زندگی حاصل اور نہ موت۔ شاہ جی کی زندگی اور موت اقبال مرحوم کے اس شعر کے مصداق تھی

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللہی

اور واقعی آپ کی زندگی میں عجیب استغنا تھا اور آپ اس حدیث کے مفہوم کے عین مطابق تھے۔

نعم الرجل الفقیہ ان اجتح الیہ نفع وان استغنی عنہ اغنی نفسہ (اوکماقال)

ترجمہ۔ بہترین آدمی فقیہ ہوتا ہے اگر اس کے پاس حاجت لے کر جائیں تو نفع پہنچائے اور اگر اس سے کنارہ کریں تو وہ بھی بے پرواہ رہے۔

حضرت شاہ جی میں یہی بات تھی۔ ایک مخلوق دوڑی پھرتی تھی مگر ہر ایک کو دینی، دنیوی، حسب ظرف فائدہ پہنچتا رہتا تھا۔ لیکن حضرت شاہ جی ہمیشہ مستغنی رہے۔۔ اور انکے وصال نے اس چیز کو یقین کے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔

انتقال کی خبر ہوا کی طرح پورے عالم اسلام میں پھیل گئی تھی۔ اور پورے پاکستان سے آدمی جوق در جوق پہنچ رہے تھے۔ راویوں اور اخبارات کا کہنا ہے کہ جنازہ میں ایک لاکھ سے زائد آدمی شریک تھے۔ یہ خصوصیت پاکستان میں کسی کے جنازہ کو حاصل نہ ہوئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

جب حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری قائد احرار کا انتقال ہوا تو مجلس احرار کے رہنماؤں نے مرحوم کے سوگ اور یاد میں باغ بیرون موچی دروازہ میں جلسۂ عام منعقد کیا۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم اس جلسہ میں شریک نہ ہوسکے کیونکہ وہ ان دنوں حکومت وقت کے ساتھ کسی سیاسی چپقلش کے نتیجہ میں پس دیوار زنداں تھے۔ جلسہ شروع ہوا، سٹیج پر مجلس احرار کے شعلہ بیاں مقرر باری باری نمودار ہوئے سب نے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی دینی اور ملی خدمات پر ان کو خراج تحسین ادا کیا۔ بعض حضرات نے بعض تجاویز پیش کیں مثلاً مولانا صاحب کی یادگار کے طور پر ان کا مقبرہ تعمیر کیا جائے، ان کی یاد میں شفاخانہ قائم کیا جائے، ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا جائے جس میں مولانا کی زندگی اور تعلیمات کے بارے میں لٹریچر جمع کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ بالآخر سٹیج سیکرٹری نے استاد دامن کو دعوت دی وہ سٹیج پر تشریف لائے اور یک برمحل نظم پیش کی جس کا ایک شعر یہ تھا

بابو ترس مویا سکے ٹکڑیاں نوں
پتر بوڑیاں دان کروان‌دے نیں

(وحید فاطمی۔ روزنامہ مشرق لاہور ۵ دسمبر ۱۹۹۵ء)